Fikr-o-Nasar (Islamabad) 38:3 (2001)

فکر و نظر ـــــ اسلام آباد   جلد:۳۸   شمارہ:۳

انتقادی مقالہ

ڈاکٹر سہیل حسن ☆

نام کتاب	:	تدبر حدیث (شرح مؤطا امام مالک، منتخب ابواب) جلد اوّل
مؤلف	:	مولانا امین احسن اصلاحی
ترتیب و تدوین	:	خالد مسعود، سعید احمد
ناشر	:	ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور
طبع	:	اوّل ۲۰۰۰ء
تعداد صفحات	:	۵۴۴
قیمت	:	۳۵۰ روپے

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم برصغیر پاک و ہند کے مشہور عالم دین، مفسر قرآن اور کئی معرکتہ لآرا کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہوں نے حدیث کا درس دینے کے لیے شروع کیے تھے اور اس میں امام مالک کی کتاب مؤطا کو منتخب کیا تھا اور وجہ انتخاب یہ بتائی گئی ہے کہ یہ مختصر مجموعہ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فقہی مسلک کی نمائندہ کتاب بھی ہے، اور متعدد دینی درس گاہوں کے نصاب میں شامل ہے، ولی اللھی مکتب فکر میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے عربی اور فارسی دو زبانوں میں اس کی شرحیں لکھیں۔

اس انتخاب میں عبادات میں سے صرف کتاب الزکاۃ شامل ہے اس کے بعد بیوع اور معاملات کے ابواب، قضاء اور حدود کے ابواب اور اس کے بعد کے تمام ابواب آخر کتاب تک شامل ہیں جن میں لباس، طعام، اخلاق ، تہذیب اور نظر لگنے وغیرہ سے

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ علوم القرآن والسنۃ، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

متعلق تمام باب آ گئے ہیں۔ یعنی مؤطا کے کل ۶۱ ابواب میں سے ۲۹ ابواب کی منتخب احادیث اس جلد میں شامل ہیں۔

ان احادیث کی تشریح میں مولانا اصلاحی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ متن حدیث کا سلیس ترجمہ کرنے کے بعد مشکل الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کے بعد اس حدیث کے اہم نکات اور فقہی اختلافات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، اور موجودہ حالات پر انطباق کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ آج کل کے حالات پر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔مثلاً حدیث، من غیّر دینه فاضر بوا عنقه، کی شرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''اس دور میں حالات بالکل تبدیل ہو گئے ہیں، اب آپ کی یونیورسٹیوں میں مارکس، فرائڈ اور برگسان کے مرید پیدا ہو رہے ہیں، اخبار اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ اب آپ کی تہذیب، تمدن، کلچر، ثقافت یہ ملاحدہ اور فلمی اداکار اور اداکارائیں بنا رہی ہیں، اور آپ کے جو فرمانروا ہیں وہ ان کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں بڑے بڑے لوگ جو مذہب کی منادی کرنے والے تھے، اب وہ ان ملاحدہ کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ نجات دہندہ یہی ہیں، وہ دن گئے جب یہ نشہ تھا کہ ہم اسلام قائم کریں گے یہ زمانہ بڑے ابتلا کا ہے، ایک صحیح اسلامی مملکت کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ زنادقہ و مرتدین کو قتل کرے لیکن آج یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا ہے، اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ آپ ایسے لوگوں کی گردنیں اڑا سکیں، ایسا کرنے سے پہلے ان کا ہاتھ آپ کی گردن پر ہوگا''۔ (ص۱۶۹)

ایک اور جگہ تصویروں اور مورتیوں کے بارے میں حدیث کی تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> '' میرے نزدیک مصریوں کا یہ فتویٰ بالکل لغو ہے کہ فوٹو تو محض ایک عکس ہے، اس کے عکس ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس سے کوئی

چیز جائز نہیں ہو جاتی، جائز اگر ہوگی تو صرف دو وجہوں سے ہوگی، ایک تو کسی خاص ضرورت کے تحت جیسے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لیے فوٹو لازم ہے، دوسری کسی قومی یا ملکی ضرورت کے تحت فوٹو کی افادیت ہو، یہ جو اخبارات کے پہلے صفحے پر اداکاروں اور اداکاراؤں کی فوٹو آتی ہیں، الامان والحفیظ۔ اگر آپ ان کو اپنے کمرے میں لگائیں تو فرشتوں کے اس میں داخل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، کوئی شریف آدمی بھی اس میں جانا گوارا نہیں کرے گا، ان کی تصویریں اس لیے بھی حرام ہیں، کہ یہ آوارہ لوگ ہیں، بدقوارہ لوگوں کی فوٹو دیکھنا بھی بدقوارگی ہے۔(ص ۴۶۶)

مولانا اصلاحی نے تدبر حدیث کے لیے کچھ ایسے اصول وضع کیے ہیں جس میں وہ اسناد کی اہمیت کو کم کرتے ہوئے صرف قرآن کریم کو کسوٹی قرار دیتے ہیں جس پر پرکھ کر کسی حدیث کو قبول یا رد کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے جہاں اس اصول کو سامنے رکھا ہے، وہاں ایک اور کسوٹی بھی استعمال کی ہے اور وہ احادیث کو عقل پر پرکھنا اور یہی وجہ ہے کہ حدیث کو سمجھنے کے متفق علیہ اصولوں سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے ان کی رائے منفرد ہے اور ان کے یہ تفردات اجماع امت کے بالکل برخلاف ہیں۔

ان تفردات میں حدیث کو پرکھنے کا جہاں تک مسئلہ ہے تو اس معاملے میں قرآن کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے، لیکن صرف اس کو پرکھنے کا معیار قرار دینا اور سند کی اہمیت کم کرنا صحیح نہ ہوگا۔

قرآن اور حدیث کے تعلق کے بارے میں حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

والذی یشهدالله و رسوله به انه لم تأت سنة صحیحة عن رسول اللهﷺ تناقض کتاب الله و تخالفه البتة، کیف و رسول اللهﷺ هو المبین لکتاب الله و علیه أنزل ربه و هداه الله و هو مأمور باتباعه و هو أعلم الخلق بتأویله و مراده۔(۱)

اور جس چیز پر اللہ اور اس کے رسول گواہ ہیں کہ کوئی بھی صحیح سنت جو کہ رسول اللہﷺ سے ثابت ہو قرآن کی ہرگز برعکس اور مخالف نہیں ہو سکتی اور کیسے ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہﷺ قرآن کریم کی وضاحت کرنے والے ہیں اور آپ پر یہ کتاب نازل ہوئی اور اس سے ہدایت حاصل ہوئی اور اس کی اتباع کا حکم دیا گیا اور تمام مخلوقات میں وہ اس کی تاویل اور مراد سے واقف ہیں۔

اور خود اصلاحی صاحب اپنی تفسیر تدبر قرآن میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۲۹ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس طرح ایک چیز یہ بھی ہے کہ قرآن میں جو احکام شریعت دے گئے ہیں ان کی حیثیت صرف اصولی احکام کی ہے ان میں سے ہر باب کے تحت بے شمار صورتیں ایسی آتی ہیں جن میں احکام کا تعین معلم کی رہنمائی اور اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس اجتہاد کے لیے امت کی بہترین رہنمائی ان مثالوں ہی سے مل سکتی تھی جو اس کتاب کے معصوم معلم نے اپنے اجتہاد سے قائم کیں۔(۲)

مولانا اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن کے احکام کی حیثیت صرف اصولی ہے، اس میں تفصیلات موجود نہیں ہیں اور وہ ہمیں حدیث سے ہی مل سکتی ہیں، لہذا یہ بات برملا کہی جا سکتی ہے کہ قرآن اپنے اجمالی انداز کی وجہ سے حدیث کے لیے کسوٹی ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ حدیث کے ذریعے سے قرآن کی تشریح اور توضیح ہو سکتی ہے۔ اسی بات کو ذرا وضاحت سے امام شافعی نے الرسالۃ میں بیان کیا ہے: قرآن اور سنت کا دلالت کے لحاظ سے تعلق تین طرح کا ہے ایک تو وہ سنت جو من حیث الوجوہ قرآن کریم کے مفہوم کے بالکل مطابق ہے اور یہ مطابقت اجمال، بیان، اختصار اور شرح میں بعینہٖ ہے جیسے کہ ارشاد نبوی ہے: " لا یحل مال امری مسلم الابطیب من نفسه" ۔(۳)

یہ حدیث اس ارشاد باری کے بالکل مطابق ہے: " ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالبلطل و تدلوا بها الى الحكام لتأكلوا فريقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون"(۴) ، دوسری قسم وہ ہے کہ جو کہ قرآن کی وضاحت ہے یعنی اس کے اجمال کی تفصیل، اشکال کی وضاحت، مطلق کی تقیید اور عموم کی تخصیص ہے، جیسے وہ احادیث جس

میں قرآن میں روزے کے احکام میں الخیط الابیض اور الخیط الاسود کی وضاحت کر دی گئی ہے، اسی طرح کنز سے مراد، قطع ید کی تفصیل وغیرہ بھی حدیث سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔

تیسری قسم سنت کی وہ ہے جس میں ان احکام کی تفصیل ہے جس کے بارے میں قرآن خاموش ہے، نہ کوئی نص ہے اور نہ کوئی اس کی مخالفت، جیسے کہ وہ حدیث جس میں رضاعت کے بارے بتایا گیا کہ اس سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب سے ثابت ہوتی ہے۔ خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم، شفعہ اور رہن کے احکام اور شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم وغیرہ۔(۵) اور جہاں تک اسناد کی اہمیت کا تعلق ہے تو یہ بات عہد صحابہ ہی میں اپنی حیثیت تسلیم کروا چکی تھی کہ کوئی بھی حدیث سند کو پرکھے بغیر قبول نہیں کرنی چاہیے، امام مسلم اپنی الجامع الصحیح کے مقدمہ میں سند کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ جب انہوں نے بشیر بن کعب کی روایتوں کو بار بار لوٹایا تو انہوں نے پوچھا: معلوم نہیں کہ آپ میری تمام احادیث کو جان گئے ہیں اور صرف ان کا انکار کر رہے ہیں یا تمام حدیث کو نہیں مانتے اور صرف ان کا اقرار کر رہے ہیں، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے جب لوگ ان پر جھوٹ نہیں باندھتے تھے، لیکن جب لوگوں نے ہر طرح کی باتیں شروع کر دیں تو ہم صرف وہی چیز لیتے ہیں جو ہم جانتے ہیں۔(۶)

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے دور میں بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ صرف وہی احادیث قابل قبول ہیں جو کہ سند کے ساتھ ہیں، اسی لیے عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں: الاسناد من الدین، ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔ اسناد کا تعلق دین سے ہے اور اگر اسناد نہ ہوتی تو جو چاہتا کہہ ڈالتا۔(۷)

اور اسناد کا علم تو وہ علم ہے جس پر مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ ان کے تمام علوم اور خاص طور پر علم حدیث سند سے ثابت ہے اور کوئی بھی شخص ان اسانید کو علم رجال اور علم جرح و تعدیل کے ذریعے سے پرکھ سکتا ہے۔

اس بارے میں مولانا کا یہ خیال کہ یہ رویہ غلو پر مبنی ہے کیونکہ سند کے تمام محاسن، لطائف، عظمت، اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں کئی فطری

خلا موجود رہتے ہیں۔

مولانا نے سند کے بارے میں اعتراف کے باوجود کئی فطری خلا کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ خلا کون سے ہیں؟، ان کی کیا مثالیں ہیں؟ اس کی نشاندہی نہیں فرمائی۔

مولانا کے نزدیک سند کی اہمیت نہیں ہے، اسی لیے وہ امام مالک کے بارے میں فرماتے ہیں: صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کو اصل مطلب بات سے ہے، سند کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دیتے، یہی وجہ ہے اصلاحی صاحب منقطع حدیث کو بھی قبول کر لیتے ہیں، اس لیے کہ اس کا متن عقلاً قابل قبول ہے۔ اور محدثین پر اعتراض ہے کہ وہ سند کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور درایت سے کام نہیں لیتے، عقل کو استعمال نہیں کرتے۔ یہ سراسر ان پر الزام ہے۔ محدثین کرام نے جہاں روایت کے لیے اصول و ضوابط وضع کیے ہیں وہاں درایت کے لیے بھی قواعد مقرر کیے ہیں اور انہی اصول و ضوابط کو اصول حدیث جیسے عظیم علم میں سمو دیا گیا ہے، اور اس میں بھی عقل کو استعمال کیا گیا ہے۔ علامہ معلمی یمانی رقم طراز ہیں: محدثین کرام نے عقل کو چار موقعوں پر استعمال کیا ہے:

۱۔ سماع حدیث کے موقعہ پر۔
۲۔ حدیث کو بیان کرتے ہوئے۔
۳۔ راویوں پر حکم لگاتے ہوئے۔
۴۔ احادیث پر حکم لگاتے ہوئے۔(۸)

یہاں پر تفصیل کا موقعہ نہیں ہے صرف میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ محدثین کرام نے حدیث کو پرکھنے کے لیے وہ بے مثال قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے ہم صرف عقل پر انحصار نہیں کر سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ محدثین کرام کا معیار بہت باریک بینی اور شدت احتیاط پر مبنی ہے، وہ حدیث قبول کرنے کے لیے پہلے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں اگر اس میں کوئی ضعیف راوی نظر آ جائے تو سند رد کر دیتے ہیں، اگرچہ کہ متن صحیح ہو، اس لیے کہ ان کے نزدیک متن اور سند دونوں کا صحیح ہونا ضروری ہے، صرف ایک کا صحیح ہونا حدیث کو قبول کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

خبر واحد کے سلسلہ میں اصلاحی صاحب کا یہ موقف ہے کہ یہ حجت نہیں ہے اور ان کی دلیل حضرت ابو موسی اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے جب "الاستقذ ان ثلاث" والی حدیث پیش کی تو حضرت عمرؓ نے اس پر مزید راوی طلب کیے اور جب تک انہوں نے اس کی تقویت میں کسی کو پیش نہ کیا، وہ نہ مانے۔

مولانا اصلاحی امام شافعیؒ کے تمام دلائل کو بھی رد کر دیتے ہیں، جبکہ ان دلائل میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے بلا تامل ایک راوی سے بات قبول کر لی ہے، اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خبر واحد کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کا اصل مقصد حدیث میں احتیاط کرنے کی تعلیم دینا ہے، اور اس بات کی تصدیق حضرت عمرؓ کے اس قول سے ہو جاتی ہے جو اس حدیث کے آخر میں منقول ہے: "أما إنی لم اتھمك ولکن خشیت ان یتقول الناس علی رسول الله ﷺ" یعنی میں نے تم کو جھوٹا نہیں خیال کیا تھا بلکہ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب نہ کرنے لگیں۔

حد رجم کے مسئلے میں اصلاحی صاحب نے یہاں وہی موقف دہرایا ہے جو تدبر قرآن میں سورہ نور کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف ردود شائع ہو چکے ہیں۔(۹) لہذا تفصیل سے اجتناب کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں جب مولانا نے خود احادیث کی ترجیح کے لیے ایک اصول مقرر کر دیا ہے تو پھر اس کی مخالفت کیوں جیسے کہ حدیث "سبعة یظلھم الله تحت ظله یوم لا ظل الاظله" کی تشریح کے بعد فرماتے ہیں:

لیکن اس روایت کے ساتھ ایک آفت یہ لگی ہوئی ہے کہ کتنی روایتوں میں سات کا عدد آیا ہے، لیکن تفصیل کسی میں کچھ اور کسی میں کچھ اور ہے، اس سے اطمینان قلب چھن جاتا ہے، کہ معلوم نہیں کون سا بیان صحیح ہے، اس طرح بعض روایتوں میں یہ اشخاص دس تک ہیں، اور بعض میں چودہ پندرہ تک تعداد چلی گئی ہے، میرے خیال میں راوی حضرات نے معنی کے لحاظ سے ادا کیا ہوگا، بعد میں ان کو کچھ باتیں معلوم ہوئیں، لیکن ان کو اس روایت میں یہ عمل ملا نہیں تو انہوں نے از خود اس کو ٹھونس دیا، اس لیے اگر معنی کا

اشتراک ہو تو آپ اس عمل کو پا سکتے ہیں، چونکہ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے تو اس کو ترجیح دیجئے۔(ص۴۴۱)

مذکورہ بالا اقتباس میں جہاں اصلاحی صاحب کا روایات حدیث کے بارے میں طرز فکر معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو روایت بخاری اور مسلم میں ہو تو وہ قابل ترجیح ہے۔ لیکن رجم والی حدیث اس قاعدے سے مستثنٰی کیوں ہیں؟

اسی طرح مولانا اصلاحی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جس مسئلے میں ائمہ اربعہ بھی متفق ہوں تو ان کا یہ اتفاق بھی اجماع امت کے مترادف اور دین میں حجت ہے، چنانچہ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

> ''ایک انطباق تو وہ ہے جس پر خلفائے راشدین اپنے دور کے اہل علم و تقوی کے مشورے کے بعد متفق ہو گئے ہیں، یہ اسلام میں اجماع کی بہترین قسم ہے اور یہ بجائے خود ایک شرعی حجت ہے، اسی طرح ایک انطباق وہ ہے، جس پر ائمہ اربعہ متفق ہو گئے ہیں، یہ اگرچہ درجے میں پہلی قسم کے اجماع کے برابر نہیں ہے، تاہم چونکہ یہ امت من حیث الأمت ان ائمہ پر متفق ہو گئی ہے اور ہر دور کے اہل علم و فتوی ان کی دینی بصیرت، ان کے تبحر، ان کے مرتبہ اجتہاد اور ان کے تمسک بالکتاب والسنہ کو تسلیم کرتے آئے ہیں اور ان کے دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش مشکل ہی سے کسی نے کی ہے، اس وجہ سے ان ائمہ کے کسی اجماع کو محض اس دلیل کی بناء پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ معصوم نہیں تھے، یہ معصوم تو بے شک نہیں تھے، لیکن ان کے معصوم نہ ہونے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ کسی امر پر ان کا اتفاق بھی دین میں حجت نہ بن سکے''۔(۱۰)

اور حد رجم جس کا مولانا اصلاحی نے انکار کیا ہے، ائمہ اربعہ سمیت تمام امت کا اس پر اتفاق ہے، پھر شادی شدہ زانی کے لیے رجم (بطور حد) سے انکار کیوں ہے؟

امام ابن شہاب زہری کے بارے میں اصلاحی صاحب نے بطور خاص سخت لہجہ استعمال کیا ہے۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ اہل سنت کے بہت بڑے امام ہیں، وہ تمام امور جن میں اہل سنت اور شیعہ کے درمیان اختلاف ہے، کسی نہ کسی طور پر ابن شہاب سے مروی ہیں، مگر اس کے باوجود امام بخاری اور امام مالک نے ان کو سر پر اٹھایا ہے، یہ امت کے لیے بہت بڑا حادثہ ہے"۔(ص۵۲۲)

انہوں نے امام زہری کے بارے میں دو بڑے اعتراضات کیے ہیں ایک تو یہ کہ وہ شیعیت کے علم بردار ہیں اور دوسرا یہ کہ امام مالک کے ہاں جہاں بھی امام زہری سے مرسل یا مبہم روایت آئی ہے اسے ان کی کارستانی قرار دیا ہے۔

مولانا اصلاحی جیسے ذی علم شخصیت سے یہ بات بہت عجیب لگتی ہے، کہ صرف اس لیے ایک شخص کو شیعہ قرار دے دیا جائے کہ ان تمام روایات میں امام زہری جو شیعہ اور اہل سنت میں وجہ نزاع ہیں، جبکہ یہ روایات نقل کرنے میں امام زہری منفرد نہیں ہیں دیگر راوی بھی اس میں شامل ہیں، اور جبکہ امام زہری کی صحاح ستہ ، موطا، دارمی اور مسند احمد میں (۵۷۲۹) روایات ہیں اور صرف موطا امام مالک میں ان سے مروی (۲۶۸) روایات ہیں، اگر ان میں سے چند شیعہ سنی مسائل سے تعلق رکھتی ہیں تو اس بناء پر ان کو شیعہ قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کے برعکس شیعہ حضرات ان کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔ تدبر حدیث میں بھی اگر جائزہ لیا جائے تو چند ایسی احادیث ملیں گی جو ان مسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ علامہ طوسی کہتے ہیں : " محمد بن شہاب الزہری عدو"۔(۱۱)

نہج البلاغۃ کے شارح ابن ابی الحدید کہتے ہیں: " وکان الزھری من النحرفین عنه علیه السلام"۔(۱۲)

عبداللہ المامقانی ان کو دشمن قرار دینے کے بعد کہتے ہیں: " ومن المعلوم من أصول المذھب ان عدوہ کافر فضلا عن الاسلام والعدالة التی أثبتھا له ابن الأثیر"۔(۱۳) نیز مامقانی نے اس بات کی سختی سے تردید کی ہے کہ زہری شیعہ تھے۔(۱۴)

یہ بھی ایک طرفہ تماشا ہے کہ ایک طرف سے انہیں شیعہ قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف سے ان کی شیعیت سے انکار ہی نہیں بلکہ خارج عن الاسلام کہا جا رہا ہے، اور تیسری طرف مستشرقین کا طرز عمل ہے جو انہیں امویوں کا ایجنٹ اور ان کے لیے حدیثیں گھڑنے والا قرار دے رہے ہیں۔(۱۵)

اور ان تمام مغالطوں کے برعکس امام زہری اہل سنت کے جلیل القدر عالم اور تابعی ہیں اور تدوین سنت کا سہرا انہی کے سر ہے، ان کی ثقاہت پر تمام اہل علم متفق ہیں، ان کے ہم عصر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ علم حدیث میں ان جیسا کوئی نہیں ہے، جرات اور حق بات کہنے میں انتہائی بے باک اور نڈر تھے۔(۱۶)

جہاں تک امام زہری کے مراسیل کا تعلق ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی دونوں کتابوں التمہید اور الاستذکار میں ان مراسیل پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور ان کی متصل روایات بیان کر دی ہیں، اور دوسری بات یہ کہ مرسل الثقہ کے بارے میں امام مالک کا موقف یہ ہے کہ حجت ہیں اور عمل کرنے کے لیے قابل قبول ہیں۔(۱۷)

اسی طرح امام مالک کی سند میں (عن الثقہ عندہ) کا معاملہ ہے اور اس بارے میں اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

شارحین کی رائے یہ ہے کہ اکثر مواقع پر (الثقۃ عندنا) سے امام مالک کی مراد ابن شہاب زہری ہوتے ہیں، جن کے بارے میں معلوم ہوتا ہے، اس زمانے میں دو رائیں پائی جاتی تھیں، بعض لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے، لیکن دوسرے ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، امام مالک چونکہ جرح و تعدیل میں بھی اپنی رائے رکھتے ہیں، اس لیے بڑے طنطنے سے کہتے ہیں میں ان پر اعتماد کرتا ہوں، دوسرا کوئی نہیں کرتا تو نہ کرے، ایک متنازعہ فیہ شخصیت کے حق میں اس طرح کا اصرار امام صاحب کی بڑی زیادتی ہے، زہری کا تشیع اور مرسل روایت کا ان کے ہاں انبار ان کو اس قابل نہیں چھوڑتا کہ امام صاحب ان کے حق میں دھونس سے کام لیں، آپ آگے دیکھیں گے کہ زہری نے نہایت خطرناک روایتیں بیان کی ہیں اور امام صاحب نے ان کو قبول کر لیا ہے۔ (ص۷۴)

بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ تمام عبارت قیاس آرائی پر مبنی ہے اور تحقیق کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔

موطا میں (الثقۃ عندہ) کی عبارت والی روایتوں کی تعداد کل آٹھ ہے، جس میں سے دو موقوف روایتیں ہیں تو صرف چھ رہ جاتی ہیں جن میں سے پانچ کا تذکرہ اس کتاب میں ملتا ہے، ان تمام روایات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ عن الثقۃ عندہ عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج۔ صلاۃ الجماعۃ، باب الرخصۃ نے صلاۃ المراۃ فی الدرع والخمار۔ اس روایت میں ثقہ سے مراد اللیث بن سعد ہیں۔(۱۸)

۲۔ عن الثقۃ عندہ عن سلیمان بن یسار و بسر بن سعید۔ الزکاۃ۔ باب مایخرص من ثمار النخیل والاعناب۔ یہاں ثقہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بکیر بن عبداللہ ہیں۔(۱۹)

۳۔ عن الثقۃ عندہ عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ۔ البیوع۔ باب ما جاء فی بیع العربان۔ یہاں ثقہ سے مراد عبداللہ بن لہیعہ ہیں۔(۲۰)

۴۔ عن الثقۃ عندہ عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج۔ الاشربۃ۔ باب ما یکرہ ان ینبذ جمیعا۔ یہاں ثقہ سے مراد عبداللہ بن لہیعہ ہیں۔(۲۱)

۵۔ عن الثقۃ عندہ عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج۔ الاستئذان۔ باب الاستئذان۔ یہاں ثقہ سے مراد مخرمۃ بن بکیر ہیں۔(۲۲)

۶۔ عن الثقۃ عندہ عن یعقوب بن عبداللہ بن الاشج۔ الاستئذان۔ باب ما یؤمر بہ من الکلام فی السفر۔ اس روایت میں ثقہ کے بارے میں اختلاف ہے، حافظ ابن عبدالبر نے الحارث بن یعقوب کو ترجیح دی ہے۔(۲۳)

ان مذکورہ بالا روایات سے ظاہر ہو جاتا ہے، کہ ثقہ سے مراد زہری ہرگز نہیں ہیں، کسی کے قول کی بناء پر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ حدیث و سنت کو پرکھنے کا اصل معیار اسناد ہے اور اس کی بنیاد پر اسے قبول یا رد کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ حدیث کو سمجھنے کے لیے جب تک تمام روایات کو یکجا نہ کر لیا جائے ان کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

۳۔ کسی راوی یا روایت کے لیے تمام اہل علم کے اقوال سامنے رکھ کر ہی حکم لگایا جا سکتا ہے۔

۴۔ امام زہری ان تمام الزامات سے بالکل بری ہے، جو ان پر بغیر تحقیق کے لگائے گئے ہیں۔

اور آخر میں یہی عرض کروں گا کہ کاش تدبر حدیث میں بھی تدبر قرآن جیسی تحقیق کا مظاہرہ ہوتا ہو۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

حواشی

۱۔ ابن القیم: الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة ص ۴۲، ۴۳، تحقیق محمد جمیل احمد۔ مطبعة المدنی۔ القاهرة۔ ۱۳۸۱ھ

۲۔ امین احسن اصلاحی: تدبر قرآن جلد۱، ص ۳۵۳، فاران فاؤنڈیشن۔ لاہور۔ ۱۴۰۳ھ

۳۔ سنن دارقطنی ۳/۲۶، سنن کبری بیہقی ۶/۱۰۰ بروایت انس بن مالکؓ۔

۴۔ سورة البقرة/۱۸۸

۵۔ ابن القیم: الطرق الحکمیة ص ۴۳

۶۔ صحیح مسلم۔ شرح نووی۔ ۱/۸۱-۸۲، موسسة مناهل العرفان، مکتبة الغزالی۔ دمشق، بیروت

۷۔ صحیح مسلم۔ شرح نووی۔ ۱/۸۷

۸۔ عبدالرحمٰن المعلمی الیمانی: الانوار الکاشفة۔ ص ۶-۷، المطبعة السلفیة۔ القاهرة۔ ۱۳۷۸ھ۔

۹۔ دیکھیے: مولانا عبدالغفار حسن مدظلہ کا مقالہ: حضرت ماعزؓ اور روایات حد رجم، جو ان کی کتاب عظمت حدیث (ص۲۱۶-۲۳۶) مطبوعہ دارالعلم۔ اسلام آباد میں شامل کیا گیا ہے، انہوں نے ایک تقابل کے ذریعے ثابت کیا ہے، کہ اصلاحی صاحب نے ایک ہی حدیث کے کچھ حصے لیے ہیں اور کچھ ترک کر دیے ہیں۔

۱۰۔ امین احسن اصلاحی: عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ۔ ص۵۸، ملک برادرز تاجران کتب۔ لائل پور، ۱۹۶۰ء
۱۱۔ رجال الطوسی۔ ص ۱۰۱، تحقیق محمد صادق بحر العلوم۔ المطبعۃ الحیدریۃ۔ النجف۔ العراق۔ ۱۳۸۱ھ
۱۲۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ۔ منقول از: تنقیح المقال فی احوال الرجال، ص ۱۸۶-۱۸۷
۱۳۔ عبداللہ المامقانی: تنقیح المقال فی احوال الرجال۔ المطبعۃ المرتضویۃ، النجف۔ العراق، ۱۳۵۳ھ۔ ص۱۸۶
۱۴۔ عبداللہ المامقانی تنقیح المقال فی احوال الرجال، ص ۱۸۷،
۱۵۔ مصطفیٰ السباعی: السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی ص ۱۸۷-۲۳۵، المکتب الاسلامی، دمشق ۱۳۹۸ھ۔
ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی: دراسات فی الحدیث النبوی، ص ۳۹۱، مطابع جامعۃ الریاض۔ ۱۳۹۶ھ
ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، منہج النقد عندالمحدثین۔ ص۱۲۷، مکتبۃ الکوثر۔ الریاض۔ ۱۴۱۰ھ
۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: الذھبی: سیر اعلام النبلاء ۳۲۶/۵، تحقیق شعیب الارناؤوط، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۱ھ، المزی: تہذیب الکمال ۴۱۹/۲۶، تحقیق ڈاکٹر بشار عواد موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۱۳ھ۔
۱۷۔ ابن عبدالبر: التمہید ۱۹/۱ المکتبۃ القدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۴ھ
۱۸۔ ابن عبدالبر: الاستذکار ۴۴۱/۵، تحقیق ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی، دارقتیبہ للطباعۃ والنشر، دمشق، بیروت۔ ۱۴۱۴ھ
۱۹۔ الاستذکار ۲۳۴/۹، التمہید ۱۶۱/۴-۱۶۴
۲۰۔ الاستذکار ۱۹/۹، التمہید ۱۷۸/۲۴
۲۱۔ الاستذکار ۲۸۸/۲۴، التمہید ۱۵۵/۵
۲۲۔ الاستذکار ۱۵۳/۲۷، التمہید ۲۰۲/۲۴
۲۳۔ الاستذکار ۲۶۴/۲۷، التمہید ۱۸۴/۲۴